رُباعیات

رہ و رسمِ حرم نا محرمانہ!
کلیسا کی ادا سوداگرانہ
تبرک ہے مرا پیراہنِ چاک
نہیں اہلِ جنوں کا یہ زمانہ!

ظلامِ بحر میں کھو کر سنبھل جا
تڑپ جا، پیچ کھا کھا کر بدل جا
نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج!
اُبھر کر جس طرف چاہے نکل جا!

مکانی ہوں کہ آزادِ مکاں ہوں؟
جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں؟
وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست
مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!

خودی کی خلوتوں میں گُم رہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں!

نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جلوۂ دوست
قیامت میں تماشا بن گیا میں!

پریشاں کاروبارِ آشنائی!
پریشاں تر مری رنگیں نوائی!
کبھی میں ڈھونڈتا ہوں لذّتِ وصل
خوشں آتا ہے کبھی سوزِ جدائی!

یقیں مثلِ خلیلؑ آتش نشینی!
یقیں اللہ مستی، خود گزینی!
سُن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی!

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے
حرم کا راز توحیدِ اُمَم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب
کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے!

کوئی دیکھے تو میری نَے نوازی
نفس ہندی، مقامِ نغمہ تازی!
نگہ آلودۂ اندازِ افرنگ!

طبیعت غزنوی، قسمت ایازی!

ہر اک ذرّہ میں ہے شاید مکیں دل
اسی جلوت میں ہے خلوت نشیں دل
اسیر دوش و فردا ہے و لیکن
غلام گردشِ دوراں نہیں دل

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تری پرواز لولاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تری آنکھوں میں بیباکی نہیں ہے!

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری!

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بُو میں!
خرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں!
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبحگاہی
اماں شاید ملے اَللہُ ھُو میں!

جمالِ عشق و مستی نَے نوازی
جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی!

وہ میرا رونقِ محفل کہاں ہے
مری بجلی مرا حاصل کہاں ہے
مقام اُس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقامِ دل کہاں ہے!

سوارِ ناقہ و محمل نہیں میں
نشانِ جادہ ہوں منزل ہوں میں
مری تقدیر ہے خاشاک سوزی
فقط بجلی ہوں میں، حاصل نہیں میں

ترے سینے میں دم ہے، دل نہیں ہے
ترا دم گرمیٔ محفل نہیں ہے

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نُور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے!

ترا جوہر ہے نوری، پاک ہے تُو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تُو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حُور
کہ شاہینِ شہِ لولاکؐ ہے تُو!

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقامِ رنگ و بُو کا راز پا جا
برنگِ بحر ساحل آشنا رہ!
کفِ ساحل سے دامن کھینچتا جا

چمن میں رختِ گُل شبنم سے تر ہے
سمن ہے، سبزہ ہے، بادِ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم

یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے؟ چراغِ رہگذر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغِ رہگذر کو کیا خبر ہے!

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

تری دنیا جہانِ مرغ و ماہی
مری دنیا فغانِ صبحگاہی
تری دنیا میں مَیں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری پادشاہی!

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں مَیں
غلامِ طغرل و سنجر نہیں مَیں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں مَیں

وہی اصلِ مکان و لامکاں ہے
مکاں کیا شے ہے؟ اندازِ بیاں ہے
خضر کیوں کر بتائے کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہِ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریان و بے تیغ و سناں عشق!

کبھی تنہائیِ کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق!
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علی خیبر شکن عشق!

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر!
شریکِ زمرۂ لایحزنون کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر!

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے

کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے!

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے!

خدائی اہتمامِ خشک و تر ہے
خداوندا خدائی دردِ سر ہے
ولیکن بندگی استغفراللہ
یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا؟
کہوں کیا ماجرا اِس بے بصر کا!
نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بیں!
یہی شہکار ہے تیرے ہُنر کا؟

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نَم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے!
وہ دِل، وہ آرزو باقی نہیں ہے!
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہے تُو باقی نہیں ہے!

کُھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی!
گیا دَورِ حدیثِ لن ترانی!
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار
وہی مہدی، وہی آخر زمانی!

زمانے کی یہ گردش جاودانہ
حقیقت ایک تُو، باقی فسانہ!
کِسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا
فقط امروز ہے تیرا زمانہ!

ترا تن روح سے ناآشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے رُوح سے بیزار ہے حق

خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

حکیمی نامسلمانی خودی کی
کلیمی رمزِ پنہانی خودی کی
تجھے گُر فقر و شاہی کا بتا دوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی

قطعہ

کل اپنے مریدوں سے کہا پیرِ مغاں نے
قیمت میں یہ معنی ہے درِ ناب سے دہ چند
زہراب ہے اس قوم کے حق میں مئے افرنگ
جس قوم کے بچے نہیں خوددار و ہنرمند